طرز بیاں کا ایک فنی رمز irony اور احمد ندیم قاسمی کا افسانہ ’سفارش‘

ڈاکٹر آسمان بیلن اوزجان*

Abstract:

In this Article Dr.Ausman Belen Ozecan has tried to present some conclusions derived out of her structural study of a famous short story of Ahmed Nadeem Qasimi. She has focused upon some keywords and meaning full phrases while analyzing that story, constructing parallel context. In this way she has extended the depth and meaning of content and impression of style and technique. Her expression in Urdu language is praise worthily.

احمد ندیم قاسمی نے کئی کہانیوں میں irony کو ہیئت بیاں کے طور پر ایک نمایاں حکایتی خصوصیت کے حیثیت سے استعمال کیا اور سماجی حقیقت پسندی سے موسوم کئے جا سکنے والے دنیوی نقطہ نظر کو ironic حکایت کے ذریعے منعکس کیا ہے۔ تنقید ادب میں جس طرح سمجھا جاتا ہے، اس کے مطابق صورت کے لحاظ سے اساس کے طور پر irony کے تعریف میں " ironic structure " کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی اسلوب بیاں کو structure، کہہ کر دراصل حکایت وضع کرنے والے فنی اور thematic عناصر کو ایک غیر یقینی یا غیر متعین وجود سے منسلک کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مطالب کو توسیع دی جاتی ہے، گویا اس طرح اس کے مطلب کے دوچند ہونے کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ بیانیہ اسلوب بیاں کی سطح، حکایت کے اشخاص یا کردار، زمانِ حکایت

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، انقرہ یونیورسٹی

جیسے عناصر میں اس معنی کا دوچند ہونا، یا توسیع پانا پڑھنے کے عمل کو ریاضت کی صورت میں کھینچتے ہوئے پڑھائی کے بوجھ اور دشواری میں اضافہ کردیتا ہے۔قارئین مسلسل مطلب کے options کے سامنے کبھی ششدر یا سراسیمہ رہ جاتے ہیں۔ حکایت کا محوری مطلب linear اور diachronic ہونے سے زیادہ، گہرا یعنی synchronic حدود میں داخل ہوجاتا ہے۔اس مطالعے میں اصطلاح irony کو " لفظ کے ذریعے بیاں کئے ہوئے مطلب کو تبائن یا تضاد کے درجے پرلے جانے "کے طور پر استعمال کریں گے۔

احمد ندیم قاسمی کی کہانی سفارش میں، حکایت تین محوروں پر قائم ہے۔ پہلا تو ایک ہی theme کے اطراف میں واقع حکایت کا thematic محور ہے، دوسرا حکایت نویس کے نقطۂ نظر پر قائم طریقِ بیاں کا محور ہے، دونوں محوروں کو باہمی طور پر superposition کرنے والی اور ان محوروں میں روح پیدا کرنے والی اصلی figure تو " آنکھ " ہے۔اب یہ دونوں محوروں کو ایک دوسرے کے پہلے متوازی اور، پھر یک امتزاج یا مرکب بنا ڈالنے کی شکل میں کس طرح خلق کرتی ہے، اسی سوال کا جائزہ لیں گے۔

۱) محور اول: Theme کے حیثیت سے آنکھ، نگاہ یا دیکھنا:

حکایت کے آغاز سے ہی حکایت، کے کردار کی تعریف کئے جانے کے دوران آسانی سے چشم پوشی کئے جانے والا ایک پہلو حکایت کے آخر میں thematic محور کے مرکز میں پیوست ہوجاتا ہے۔اس ترکیب کا حصول ہی ironic ہیئت ہے۔اصل موضوع کے ساتھ، ایک ثانوی theme کے ذریعے اسے اس طرح جوڑا گیا ہے کہ اس کا ثانوی ہونا فوراً سمجھ میں آجاتا ہے۔:" محلے کی بڑی گلی کے موڑ پر تین چار تانگے ہر وقت موجود رہتے ہیں مگر اس روز مَیں موڑ پر آیا تو وہاں ایک بھی تانگہ نہیں تھا۔ مجھے خاصی دور بھی جانا تھا اور جلدی بھی پہنچنا تھا، اس لئے تانگے کا انتظار کرنے لگا۔ تانگے تو بہت سے گزرے مگر سب لگے ہوئے تھے " (قاسمی، احمد ندیم، کپاس کا پھول، اساطیر، لاہور، ۱۹۹۵، ص:۵۲)

دیکھا جائے تو اصلی مسئلہ، یہ ہے کہ حکایت کا جو متکلم ہے، نقل مکانی اس کا مسئلہ دکھائی دیتا ہے، پر اس کے برعکس حقیقی موضوع کے مطابق متکلم کا مسئلہ محض نقل مکانی نہیں۔ یہ عنصر پہلی سطح میں بیان کی ہوئی فیکے کی آنکھ ہے۔: ''فیکا جو کوچوان کا کوچوان اور پہلوان کا پہلوان تھا، آج اس نے شیو بھی نہیں بنوایا تھا اس کی آنکھیں بھی سرمہ سے محروم تھیں اور بوٹی کی طرح سرخ ہورہی تھی'' (ص ۵۲)۔ یہ حالت، فیکے کے ابو کے مسئلہ کے طور پر ایک طرح سے آغاز بن کر آتی ہے، کیونکہ ابو جس کی اپنی ایک آنکھ کھو جاتی ہے اور وہ اس سوال کا حل ڈھونڈتے ہوئے ہسپتال میں گر جاتا ہے۔: ''لال لال تو وہ ہر وقت رہتی تھی اور اس میں سے پانی بہتا رہتا تھا۔ آپ تو جانتے ہیں۔ آپ تو بابا کے

ساتھ کئی بار تانگے پر بیٹھتے ہیں۔تو بابو جی کل کیا ہوا کہ بابا مصری شاہ میں سے گزرا تو سانڈے کا تیل بیچنے والا ایک حکیم سرمہ بیچ رہا تھا۔ بابا یہ سرمہ لے آیا اور ہمیں بتایا کہ اس سے آنکھ کی لالی جاتی رہے گی۔(...)اس نے (...) آنکھ میں سلائی پھیر لی۔بس پھر کیا تھا...'' (ص ۵۳)۔

یہاں ironic ساخت ایک طرف سے آنکھ میں جو سرخی ہے، وہ پہلے فیکے میں پھر حکایت کا اساسی موضوع یعنی ابو کا تصور بن جاتی ہے۔ یہ سرخی پہلے ایک مسئلہ کی نشانی بن گئی تھی تو دوسرے میں خود مسئلہ بن جاتی ہے۔ دوسری طرف سے آنکھ میں لگایا گیا سرمہ کا motif ایک ہی سطح پر فیکے میں مسئلہ کی علامت اور اس کے ابو میں مسئلہ کا ماخذ یا مرکز بن جاتی ہے۔لہذا یہاں بھی مسئلہ کی علامت اور مسئلہ کا ماخذ اپنی جگہ بدل لیتے ہیں۔آنکھ میں سرمہ کسی میں؛ قوت، صحت بلکہ قوتِ حیات کو ظاہر کرتا ہے تو دوسرے میں اندھے پن اور "بے نوری " کا ماخذ بن جاتا ہے۔ لہذا سطح کے دوام میں آنکھ بچانے کے لئے سرمہ کی جگہ، لگائے ہوئے دوسرے مختلف علاج (ساگ کا پانی وغیرہ) کام میں نہیں آسکے تو، آنکھ اور سرمہ کے motif کا اندھے پن اور روشنی کھو جانے کے مطالب سے جوڑا گیا اور یہی مشاہدہ کیا جاتا ہے۔:''صبح محلے کے سارے کوچوان اکٹھے ہوئے تو ان میں سے چچا شیدے نے کہا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابالو اور اس پانی سے آنکھ دھو۔ پھر کسی نے کہا کہ پالک کا ساگ ابال کر باندھو۔ باندھا اور جب کھولا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ اب کیا جتن کرتے ہو، آنکھ کا دیا تو بجھ گیا۔ ہمارے گھر میں تو پٹس مچ گئی بابو جی'' (ص ۵۴)۔

۲۔دوسرا محور: زیرِ التوا مدد (امداد):

حکایت کی دوسری سطح، سطحِ اول میں مظہر (شے) کی جو جگہ بدل گئی تھی، وہ اسی ساخت کو جاری رکھتی ہے۔اول تو مدد کی ضرورت، متکلم کو ہے، کیونکہ مواصلات کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اسے تانگے کا انتظار کرتا ہے، پر جب تانگے والے کو دیکھتا ہے تو اپنے مسئلہ کی جگہ تانگے والے کا مسئلہ اہم ہو جاتا ہے۔اسی طرح حکایت میں مدد پیش کرنے والا شخص اور مدد سے فائدہ اٹھانے والے اشخاص کے درمیاں بھی جگہ کی تبدیلی ہوتی ہے۔:''اسے ایک ہسپتال میں لے گئے۔ پھر دوسرے میں لے گئے۔ دونوں میں جگہ نہ تھی (...) آپ صاحب لوگ ہیں۔ یہ دیکھئے ہاتھ باندھتا ہوں۔ میرے ساتھ چل کر کسی ڈاکٹر سے یہ کہہ دیجئے کہ صدیقے مریض کو ذرا دیکھ لے'' (۵۴)۔متکلم نے جو چارہ تجویز کیا ہے، وہ سطحِ اول میں موجود دونوں مسئلہ کا بھی چارہ بن جاتا ہے۔:''میں نے کہا کہ وھاں ایک ڈاکٹر ہے، ڈاکٹر عبدالجبار، ان سے میرا اسلام کہو، کام ہو جائے گا'' (ص ۵۴)۔اسی طرح دونوں مسئلوں کا بھی حل

ہو جائے گا۔مگر متکلم اس سطح کے بعد حکایت کے انجام تک حال کے متعلق ایک تشویش ناک انتظار میں مبتلا رہتا ہے۔ تانگے والے کی مدد کرنے کی آرزو، اس میں ایک اندرونی (خود احتسابی) کی صورت میں بدلتی ہے۔کیونکہ "عاجز" (بے چارہ) آدمی کی چاہت جو کہ مدد کے لئے تھی، اسی چاہت کو وہ ٹال چکا تھا۔تاہم فی الفور آتے ہوئے تانگے پر ہی سوال ہو گیا البتہ فیکے کو ہسپتال کے دروازہ پر دیکھا تو دل ہی دل میں یہ آرزو ہوئی کہ کاش فیکے سے اور مؤثر ہوسکتا، مگر: "فیکا میرا بہت سا شکریہ ادا کر کے چلا گیا(..) ایک بار جی میں آئی کہ (..) مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی تھی" (ص ۵۴)۔ بلکہ جس ڈاکٹر سے بات کرنے کی ضرورت تھی، وہ بھی موٹر سائیکل پر پاس ہی سے گزر جاتا ہے، میری آواز بھی نہیں سنتا: ''(...) یکا یک جبار صاحب کا سکوٹر میرے ٹانگے کے قریب سے زن سے گزر گیا۔ جبار صاحب! میں چلایا مگر جبار صاحب میری آواز سے تیز نکلے'' "(ص ۵۴)۔

اس باب کے بعد حکایت، انجام تک اس طرح جاری رہتی ہے کہ التوا کا "process " شروع ہو جاتا ہے۔کیونکہ متکلم جب بھی فیکے کی براہِ راست مدد کرنے کی چاہت میں مبتلا ہو گا تو ساتھ ہی اسی چاہت کو ملتوی کرے گا۔''کوئی بات نہیں، میں نے سوچا۔کل کہہ دوں گا۔کل پہلا کام ہی یہی کروں گا'' (ص ۵۴)۔ پھر آنے والے حصے میں متکلم کا نیک ارادہ جو آغاز میں اصلی مسئلہ تھا جاتے جاتے اور زیادہ بوجھل ہونے کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔تانگے والا پھر سے متکلم کی مدد مانگنے کے لئے آیا تھا: اپنی ایک آنکھ سے محروم ہونے والے اپنے باپ کے لئے ہسپتال میں مدد ڈھونڈنے کی کوشش میں؛ فیکا اپنی درخواست دوہراتا ہے۔:''میرے جسم میں سے نیند ابھی پوری طرح غائب نہیں ہوئی تھی پھر(...) میں تم کو اپنا کارڈ دیے دیتا ہوں۔(...) یار آدمی ہیں فٹافٹ کام کر دیں گے'' (ص ۵۵-۵۶) ۔اس آرزو پر متکلم میں مدد کرنے کی چاہت اور سستی میں کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ایک بار پھر تانگے والے کو اپنا کارڈ دے کر اس کام سے بچ جاتا ہے: ''وہ مجھ سے کارڈ لے کر یوں چلا جیسے دنیا جہان کی دولت سمیٹے لیے جا رہا ہے'' (ص ۵۶)۔ یہ سطحِ اول کی تکرار ہے۔ پہلے thematic معنی میں، کیونکہ تانگے والے کا مسئلہ گمبھیر ہوتا جا رہا ہے تو (دوسری طرف سے) متکلم کا بہانہ دیکھتے ہی دیکھتے مہین ہوتا جا رہا ہے: پہلے سامنے آنے والے مسئلے اور پھر ایک اور مسئلہ جو کہ ایک دوسرے سے برابر تھے، ان کی گمبھیرتا کا موازنہ کرنے پر عدم توازن کا احساس بڑھ جاتا ہے، ہم کو معلوم ہے کہ اول تو ایک جگہ پر پہنچنے کے مسئلے (دیر ہو چکی تھی) کے ساتھ ہسپتال میں جگہ کی تلاش کا مسئلہ ایک دوسرے کے متوازی تھی، حالانکہ یہاں صبح کی آرام طلبی اور کسمساہٹ بدن سے دور نہ ہوئی تھی، متکلم کے لئے غیر اہم سہی مگر تفصیل سے شمار ہو سکنے والے چھوٹے مسائل اور ان پر بھٹکتی ایک آنکھ۔اسی طرح ایک اور مختلف زاویے سے پھر سے ironic ساخت کی طرف لوٹتا محسوس ہوتا ہے۔ دوسرا نکتہ جو کہ

ironic ساخت کو تقویت دیتا ہے، وہ متکلم کا مدد کے دو موقعوں پر تمنا اور سعی کے باوجود غیر موثر رہ جانا، پر اس کی محض اچھی نیت یا ارادے کو ہی تانگے والے کی طرف سے معجزہ سمجھ بیٹھنا اور بے پناہ شکر گزار ہونا دلچسپی پیدا کرتا ہے۔:''جبار صاحب بیٹھتے تو ہیں پر کوئی اندر نہیں جانے دیتا۔ کہتے ہیں باری سے آؤ۔ اور میری باری آتی ہی نہیں'' (ص ۵۶)۔ متکلم نے جو مدد کے مقصد سے اپنا کارڈ دیا تھا، وہی کارڈ ڈاکٹر کے ہاتھ میں کبھی نہیں پہنچ پاتا'' میں نے وعدہ کیا کہ کل ضرور چلوں گا'' (ص ۵۶)۔ اس طرح متکلم کی مدد پھر سے یہ آرزو یا وعدہ نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا یعنی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ہم دیکھیں گے کہ ساتھ ہی پہلے سے جاری یہ scheme دہرائی جاتی ہے، بعد میں فوراً بہانہ آتا ہے:''اب تو شام ہوگئی تھی'' (ص ۵۶)۔ مگر وعدہ پورا نہیں کیا جاتا:''رات کو واپس آیا تو معلوم ہوا کہ فیکا آیا تھا'' (ص ۵۶)۔

اس سطح تک مسئلہ حل کرنے کے لئے متکلم مسلسل دور سے مداخلت کرنے پر ہی اِکتفا کرتا ہے۔ کسی طرح بھی براہِ راست عمل نہیں کرتا۔ آخری ملاقات سے چار دن بعد جب اس کو فیکے کا خیال آتا ہے تو وہ ایک ہی بات محسوس کرتا ہے:''پشیمانی'' یہ جذبہ اس دفعہ متکلم میں جذباتی مسئلہ بن چکا تھا، اسی کا آغاز ہوتا ہے۔ ویسے تو اس مسئلہ کا حل کرنا بھی جھوٹوں کے حوالے سے اور زیادہ غلط فہمی کا سبب بنے گا۔''اتنے میں فیکا بھی آ نکلا تھا۔ مجھے ذرا ندامت تھی۔ اس لیے جھوٹ بولنا پڑا۔ کیوں فیکے جبار صاحب نے کام کر دیا نا؟ وہ بولا، مگر بابو جی وہ تو مجھ سے ملے ہی نہیں'' (ص ۵۶)۔

متکلم کے پاس جھوٹ بولنے کے سوا اور کچھ نہیں رہا تھا:''میں نے فوراً کہا'' میں نے انھیں فون کر دیا تھا(57.)'' اسی جھوٹ کے سامنے دکھایا گیا، اس سے پہلے سطحِ اول میں ادا کیا ہو''شکریہ'' دوسری سطح میں بھی دیئے گئے کارڈ کے سامنے ظاہر کئے جانے والے احسان مندی کے جذبہ کی صورت میں تکرار دکھائی دیتی ہے، مگر غور کیا جائے تو دونوں لمحات کی ممنونیت اور اس کے متکلم پر اثرات کی نوعیت ایک سی نہیں:

> فیکے کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں ممنونیت کی نمی جاگ اٹھی'' (ص ۵۷)۔

معلوم ہوتا ہے کہ ironic - thematic محور میں جو الگ دو جذبے ہیں، وہ ایک دوسرے سے asimetrically حرکت کرتے ہیں۔ فیکے کے ہاں بے چارگی کا احساس ہے، مگر ایک امید اور آسرے کے ساتھ، اسی لئے شکر گزاری کا جذبہ ابھرتا جاتا تھا، اس کے برعکس متکلم کے مسئلہ کے حل ہونے میں لگاؤ کم ہوتے ہوئے، بلاواسطہ مداخلت کی آرزو بھی کم ہو رہی تھی، جس سے اس کے وجدان میں الجھن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔'' پھر

وہاں سے چلا آیا، میرے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے، مگر ذہن جیسے شکست کھا کر بھاگا جا رہا تھا'' (ص ۵۷)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ شکل اختیار کر رہا ہے۔۔اور فیکے کی احسان مندی کے مقابل، پچھتاتا ہوا متکلم ،فضا میں ناچارگی بھر رہی تھی ''رات کو نیند نے ندامت دور کر دی۔مگر صبح ہی فیکا دروازے پر موجود تھا؛ بولا (...) یہ تو بڑا اغزاب ہوا بابو جی!'' (ص ۵۷)۔ساتھ ہی پہلے سوال سے جاری اس مسئلہ کے اندر ایک نئ مدد کی آرزو، نئ صورتِ حال بنا رہی ہے، ''آج میں اماں کو ساتھ لے کر گیا دو روپے گل ہو گئے۔کچھ ہو سکے تو کیجئے۔'' (ص ۵۷)۔

یہاں تک جتنی بھی سطحیں تھیں، ان میں متکلم سے قارئین کی توقعات میں اور زیادہ اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قارئین کے دل میں یہی سوچ پیدا ہو جاتی ہے کہ متکلم کو مسئلہ پر براہِ راست مداخلت کرنی چاہئے۔عارضی یا لمحاتی طور پر یہ مداخلت ہو گئی، یعنی متکلم واقعی جب براہِ راست تانگے والے کی مدد کرنے کا فیصلہ کر کے اور عمل کرنے پر بھی تیار ہو جاتا ہے، تو اتفاقوں کا ایک سلسلہ کہانی میں داخل ہو جاتا ہے اور ironic ساخت کو تقویت ملتی ہے۔: ''میں ابھی ڈاکٹر جبار کو فون کرتا ہوں۔میں نے فون کیا بھی (...)'' (ص ۵۷)۔مگر متکلم پھر سے مسئلہ کو بھول جاتا ہے۔''پھر مصروفیتوں میں بات آئی گئی ہو گئی'' (ص ۵۷) متکلم کے سامنے اب ایک ہی شے بچی تھی: مسئلہ کو حل کرنا نہیں، اس سے بچنے کی کوشش ہی کرنا ہے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔''پانچ چھ روز بعد میں نے فیکے کو دیکھا تو سوچا کہ نظریں چرا کر ساتھ والی گلی میں مڑ جاؤں اور وہاں سے بھاگ نکلوں۔'' (ص ۵۷)۔اب ان سب باتوں کے باوجود ironic ساخت اپنے آپ کو پھر سے دکھاتی ہے اور توقع کے برعکس تانگے والے کی احسانمندی متکلم کے کوئی عمل نہ کرنے کے باوجود، جاری رہتی ہے۔''بابو جی سمجھ میں نہیں آتا آپ کے کس کس احسان کا بدلہ اتاروں گا۔'' (ص ۵۷)۔

اسی مرحلے میں متکلم کی بے چارگی اور تانگے والے کے مقدر میں جو متوازیت ہے، تو کہا جا سکتا ہے کہ ان میں ایک irony موجود ہے۔کیونکہ بعد میں جب متکلم نے تانگے والے کو پھر سے دیکھا تو پہلے مسئلہ کا بوجھ اور بھی بڑھتا چلا گیا کہ اب تو تانگے والے کے باپ کی دونوں آنکھوں کے چھن جانے کا بھی خطرہ ہے، یہ بات اس کو معلوم ہوتی ہے تو اپنے اندر جو ضمیر کی خلش تھی، وہ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔''پھر وہ جمعہ کی شام کو آیا تو بولتے ہی زار زار رونے لگا (...) کہتے ہیں اب پہلے آپریشن ہو گا اور دوسری آنکھ کا بھی ہو گا۔'' (ص ۵۷-۵۶)۔متکلم پھر سے جبار کو فون کرتا ہے مگر وہ نہیں ملتا۔فیکا طویل عرصے کے بعد لوٹ آتا ہے تو، ہم حکایت کی بھی آخری سطح پر پہنچتے ہیں۔

۳۔ آخری سطح: سلجھانا، حل کرنا

حکایت کی آخری سطح جیسے قاسمی کی دوسری کہانیوں میں بھی نمایاں ہے، ویسے ironic ساخت کے مطابق پوری حکایت کے thematic اور tecnique اوج کو پیش کرتی ہے، کیونکہ حکایت پھر متکلم میں مسلسل طور پر ابھرتے ہوئے اضطراب سے بچنے کا ردِعمل، یعنی پہلے لاپروائی، پھر تغافل اس کے بعد جھوٹ بولنے کی طرف مائل ہونا مسئلہ کے حل کرنے کی طرف نہیں، مسئلہ سے بچنے کے راستے کو سامنے لانے والا ردِعمل انتہائی سطح پر اپنے آخری نقطے پر پہنچتا ہے۔ چنانچہ ''دو، ڈھائی ہفتے کے بعد'' تانگے والا متکلم کے گھر آیا تو اس دفعہ وہ آمنے سامنے ہونے سے بھی بچ جاتا ہے۔ پہلے: ''نوکر نے آکر بتایا کہ فیکا کوچوان آیا ہے۔(...) کپڑے تو میں نے بدل رکھے تھے البتہ اپنے تیور بدلنے کی کوشش کرنے لگا۔'' ص ۵۸)۔ مگر حکایت کے انجام میں جو تبدیلی صورت ہے، یعنی اصل میں جگہ کی تبدیلی ہے، وہ متکلم آمنا سامنا ہونے کو قبول کرتے ہوئے) ظاہر ہو جاتا ہے، یہاں کے ironic ساخت کے مطابق؛ تانگے والے کا مسئلہ جتنا ابھرتا جاتا ہے، متکلم کے ضمیر کی چبھن بھی اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ حالانکہ آخری سطح پر بھی ایک تبدیلی سامنے آتی ہے۔'' پھر اچانک خیال آیا کہ کتنا چھوٹا آدمی ہوں۔ دو پیسے یا دو روپے یا چلو دو لاکھ کی بھی بات نہیں۔ دو آنکھوں کی بات ہے اور میں جھوٹ بولے جا رہا ہوں'' (ص ۵۸)۔ سب کچھ صاف صاف بتانے کا فیصلہ کئے ہوئے متکلم اسی طرح اپنے اپ کو آسودہ محسوس کر رہا ہے، لیکن اس سے پہلے تانگے والا بولنے لگتا ہے۔ میرے سوچے ہوئے فقرے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ بمشکل میں نے کہا فیکے! بات یہ ہے کہ (...) (ص ۵۹) لیکن توقع کے برعکس تانگے والے کی شکرگزاری چوٹی کے نقطے تک پہنچی ہوئی ہے:'' بابوجی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں شکریہ ادا کروں تو کیسے کروں۔ میرا بابا ٹھیک ہو گیا ہے (...)'' (ص ۵۹)۔'' آپ نے مجھے خرید لیا ہے بابوجی! قسم خدا کی میں عمر بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔'' (ص ۵۹)

دیکھا جائے تو شروع ہی سے متکلم کا ابھرتا ہوا اندرونی اضطراب، غیر متوقع شکل میں، اتفاقوں کے سہارے غائب ہو جاتا ہے۔ یہاں کی ironic ساخت، بلاواسطہ تانگے والے کی کوئی مدد نہ کرنے کے باوجود متکلم کو ہر دفعہ ناحق ایک احسانمندی سے اور زیادہ ایذا پہنچاتی ہے۔ حکایت کا آخری فقرہ بھی اسی ironic ساخت کو پھر سے مطالب کے دو، زمروں سے ملاتا ہے۔ اس فقرے میں پہلے تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ داخلی محاسبے کا ہیجان، جو قصوروار کے مقابل ممنونِ احسان کے جذبہ کی بدولت پیدا ہو گیا تھا، غیر متوقع صورت میں ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ایک مسئلہ میں کچھ کر سکنے کے باوجود اس کا حل ہوتے ہی infinitesimal بچنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا

آخری فقرہ بھی ironic ساخت سے مل جاتا ہے۔''اور میں نے ایک بہت لمبی، بہت گہری سانس لے کر کہا کوئی بات نہیں فیکے، کوئی بات نہیں۔''(ص۵۹)۔

۴۔ ironic ساخت: متکلم ،اسلوبِ بیاں کی ہموار سطح، اصلی شخص

Thematic محور میں ironic جو ساخت ہے ، وہ tecnicque کے محور میں بھی کافی نمایاں ہے۔شروع ہی میں thematic ساخت irony کے طور پر واضح ہوتے ہوئے اسلوبِ بیاں کے عناصر کا متعین کیا جانا بھی ironic ہے۔اس طرح آغاز میں حکایت، متکلم کا مواصلات کا مسئلہ حل ہو گیا تو، یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اصلی شخص تو براہ راست خود متکلم ہے۔حالانکہ ironic ساخت میں اصلی شخص جب سامنے نکل آتا ہے، تب پتہ چلتا ہے کہ اصلی شخص حقیقت میں فیکے کے سوا اور کوئی نہیں۔ یہ حالت جیسے thematic محور میں بنیادی theme کی ذیلی تھیم سے چپکی ہوئی، مگر پوشیدہ ہے۔

حکایت کے کردار کی حیثیت سے متکلم فیکا، اپنے باپ کی بینائی اور نابینائی کو قریب تر کر دیتا ہے، اس سلسلے میں پھر متکلم ہی نمایاں ہے: قارئین قدرتی طور پر متکلم کے ذریعے بتائی گئی حکایت کو ہی اصلی شخص کے ساتھ ماجرا سمجھتے ہیں؛ اختتام: جیسے کئی کہانیوں میں ہے، ویسے سفارش میں بھی thematic اور tecnicque کی سطح میں اسلوبِ بیان میں figure کے طور پر irony کو استعمال کیا گیا ہے۔ یہ کرتے ہوئے سماجی حقیقت نگاری کو کہانی میں موثر رنگ دینے کے لئے فکرِ دنیا یا مصروفیاتِ دنیا کے طور پر اپنایا گیا ہے۔سفارش میں اسلوبِ بیان کو وضع کرنے والے عناصر تین sections میں تقسیم ہوئے ہیں۔ان میں سے پہلا عنصر تو، نگاہ، دیکھنا اور پھر آنکھ اصلی محور ہیں۔ دوسرا جو مطلب کا التوا ہے، وہ مسئلہ کے حل کا اتفاقوں پر چھوڑ دیا جانا ہے، جب کہ آخر میں اس ironic ساخت کے مطابق قائم کی گئی کہانی مرکزی کردار کے مخمصے کو دور کر کے اتفاق یا کسی موہوم یا مفروضہ نیکی کی بدولت آنے والی تبدیلی کو قرینِ قیاس بنا دیتی ہے۔سو، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاسمی کی کہانی سفارش، اپنی سادگی کے باوصف اسی ساخت کی بنا پر" کثیرالابعاد معانی رکھنے والے متن'' کی حامل ہے۔

کتابیات

احمد ندیم قاسمی، احمد ندیم، کپاس کا پھول، اساطیر، لاہور، ۱۹۹۵۔

انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد، ۲۰۱۰۔

V. JANKELEVITCH, L'ironie, Flammarion, Paris, 1964

LA RICHARDS, Principles of Literary Criticism, London, 1924.

D.C. MUECK, The compass of irony, 1969

D.C. MUECK, Irony and the ironic, 1982

K.BARBE, Irony in context, John Bengamins publishing Company, Amsterdam Philedelphia, 1995

W.C. BOOTH., A Rhetoric of Irony, University of Chicago Press, 1974

KIERKEGAARD,S., The Concept of irony, with Constant Reference to Socrates, 1841, translated by M. Capel, London,1966

E.D.HIRSCH, Validty in interpretation, Yale Univ. Press, 1967.

E.H. GOMBRICH, Art and Illusion: A study in the psychology of Pictural Representation, New York 1960.

Alan WILDE, Horizons Assent: Modernism, Postmodernism, and the Ironic Imagination, Baltimore, 1981

Paul de MANN, Allegories of reading. Yale Univ. Press, 1979.

Bakhtin, The Dialogic Imagination, Univ. Of Texas, Press. 1981